یاس یگانہ چنگیزی کی غزل گوئی

[1]ڈاکٹر اختر شمار

Abstract:

Mirza Yaas Yagana Chingaizi (Mirza Wajid Hussain) is a well renowned poet of Urdu. He was famously known for his egotistical, uncompromising and brusque writing expression. Seeing the glory of Ghalib, he was quite envious of his work and always rectified his poetry and attacked his iconic status. This earned him the title of "Ghalib Shikan". A poet usually depicts his feelings through the observation and experiences of his surroundings, keeping up with the trend Mirza Yaas did the manifestation of ordinary human life in his poetry. He, in his poetic expression, paved the way for human dignity affirming it to be the strongest attribute of ordinary humans. Mirza Yaas engaged with the oddities of life with an uncompressing and rigid attitude. In this article, the researcher has brought forward a comprehensive and critical analysis of the different aspects of life that Mirza Yaas has touched upon briefly.

Keywords: **Dignity, Ghalib Shikan, Mirza Yaas,Lucknow,Yagana.**

کلیدی الفاظ: یاس یگانہ،چنگیزی،غالب شکن،لکھنؤ،اردو شاعری،غزلیہ شاعری

مرزا واجد حسین ابن پیارے صاحب کا پہلا تخلص یاس تھا بعد میں یگانہ اور پھر چنگیزی ہوئے۔ان کا سلسلہ نسب چنگیز خاں سے ملتا ہے۔[(۱)] شاعری میں یاس یگانہ پہلے سید علی جان بیتاب عظیم آبادی اور اس کے بعد خان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی کے شاگرد ہوئے۔ بعد ازاں بقول محمد یحیٰی تنہا، یاس یگانہ نے پیارے صاحب رشید سے بھی اصلاح لی۔[(۲)] یاس یگانہ اگرچہ پٹنہ (عظیم آباد) میں پیدا ہوئے لیکن ان کی شاعری کا وطن لکھنؤ ہے۔ یگانہ ۱۹۰۵ء میں لکھنؤ منتقل ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں ان کی شادی لکھنؤ کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔

1 پروفیسر وصدر نشین، شعبہ اردو، ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور

یگانہ نے عظیم آباد کی اپنی جائیداد فروخت کی اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے وہ لکھنؤ میں بے فکری کی زندگی بسر کرتے رہے۔(۳)

مرزا یاس یگانہ چنگیزی، غالب شکن کے طور پر مشہور ہیں۔ اگر ان کی زندگی کے نشیب و فراز کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے بے حد ذہین اور چُست و چالاک تھے۔ چناں چہ انھوں نے تعلیم کے دوران میں اول سے آخر تک وظائف، تمغات اور انعامات حاصل کیے۔ جس دور میں یگانہ نے شاعری کی ابتدا کی اس دور میں لکھنؤ میں ناسخؔ کے ردِ عمل میں صفیؔ، ثاقبؔ اور عزیزؔ جدید شاعری کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ یگانہ بھی ناسخؔ کے مقابلے میں آتشؔ کو پسند کرتے تھے اور اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے وہ مرزا غالبؔ اور آتشؔ کے زیادہ قریب تھے۔ شاید یہی سبب ہے کہ ان کی غزلیات میں عشق و محبت کے موضوعات کی بجائے فکر و فلسفہ اور حیات و کائنات کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ یگانہ چنگیزی نے آتشؔ سے زبان و بیان کی صفائی اور مرزا غالبؔ سے فکر و فن کی گہرائی مستعار لی۔

لکھنؤ میں اس دور میں صفیؔ، عزیزؔ، ثاقبؔ، غالبؔ و میرؔ کے تتبع میں غزلیں کہہ رہے تھے(۴) اور ان کی شاعری کا بڑا شہرہ تھا۔ اس ساری صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یگانہ کے پاس صرف دو ہی راستے تھے یا تو وہ لکھنؤی شعرا کے رنگ میں رنگے جاتے یا پھر وہ غالب شکنی اختیار کرتے۔ یگانہ نے لکھنؤی شعرا کی صف میں شامل ہونا اپنی انا کے خلاف سمجھا اور غالب شکنی کی طرف مائل ہوئے جس سے ان کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ مگر یگانہ کی بد نصیبی یہ ہے کہ وہ تمام عمر غالبؔ سے بچتے ہوئے بھی فکری اعتبار سے غالبؔ سے الگ نہ رہ سکے۔ ان کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یگانہ غالب شکن ہوتے ہوئے بھی غالبؔ کے متبع ہیں۔ یگانہ کی غزلوں میں لکھنؤ کے مرثیت زدہ ماحول کی وہ ماتمی دھن نہیں ہے جو عزیزؔ اور صفیؔ کے ہاں محسوس ہوتی ہے۔(۵) یگانہ کی غزلوں میں قنوطیت کہیں نظر نہیں آتی۔ ان کی ہاں افکار و مسائلِ حیات نمایاں ہیں۔ زندگی کی رنگا رنگی اور مسائل ان کے اہم موضوعات ہیں۔ انھیں محض حسن و عشق کا شاعر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ وہ غالبؔ کی طرح رجائی شاعری پسند کرتے ہیں۔ یگانہ کا نام لکھنؤ کی قنوطی شاعری پر ایک کاری ضرب کا درجہ رکھتا تھا۔

یگانہ میں غرور اور تعلّی کا مادہ قدرے زیادہ تھا اور وہ بڑے بڑے شعرا کو نگاہ میں نہیں لاتے تھے۔ یگانہ تقلید پرستی کے قطعی قائل نہ تھے۔اس زمانے میں غالب پرستی کی ہوا زوروں پر تھی۔ یگانہ اس حوالے سے بھی بیزار تھے۔ وہ غزل کو نیا آہنگ، مزاج اور اسلوب عطا کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن اپنی حد سے بڑھتی ہوئی انانیت کی وجہ سے وہ تنہا رہ گئے اور ان کا کوئی ہمنوا نہ بن سکا، لیکن اس کے باوجود یگانہ کے صاحبِ اسلوب شاعر ہونے میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں۔

ڈاکٹر نجیب جمال یگانہ کی غزل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یگانہ نے غزل کو شکست و فرار اور ذہنی عیاشی کا وسیلہ بنانے کی بجائے حقیقی زندگی کے تجربات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کا یہ رویہ جہاں اینٹی غزل مزاج کی پیداوار ہے وہاں ادب کی روایتی، فرسودہ اور جامد قدروں سے بغاوت کی وجہ سے بھی ہے۔ قدامت پسند طبقہ اسی سبب سے ان سے بیزار ہو گیا تھا۔ یاں اپنوں اور بیگانوں کی مسلسل بے رخی اور بے گانگی نے ان کے انداز میں تیکھا پن پیدا کیا اور ان کی غزل کو ناراض آدمی کی غزل بنا دیا۔ یہ ناراض آدمی دراصل نئے عہد کا نیا آدمی تھا جس کی تلخی، کجی، مایوسی، بے بسی اور گانگی غراہٹ کو یگانہ نے زبان دی اور غزل کی ہیئت میں رہتے ہوئے جدید طرزِ احساس کی نمائندگی کی۔''(۶)

غور کیا جائے تو جدید غزل میں وہ ایک خاص تیور اور بانکپن کے شاعر سمجھے جاتے تھے۔ان کے ہاں سلاست، روانی اور بے ساختگی کے عناصر نمایاں ہیں۔ان کی غزلوں میں ایک تیکھا پن، زورِ بیان اور برجستگی ہے جو دوسروں سے انھیں ممتاز کرتی ہے۔ وہ زندگی کے دُکھوں پر کُڑھتے نہیں بلکہ زندگی سے نبرد آزما رہتے ہیں اور فانیؔ کی طرح روتے دھوتے یا منہ بسورتے دکھائی نہیں دیتے بلکہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں کی خصوصیات میں تخیل کی بلندی، مردانہ لب و لہجہ اور رجائیت شامل ہے۔عام شاعروں کی طرح ان کی شاعری مجبوری، مایوسی اور محرومی کی شاعری نہیں بلکہ ان کی غزلیں پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک انا پسند، خوددار اور حوصلہ مند شاعر کی شاعری ہے۔ یگانہ کا پہلا دیوان ''نشترِ یاس''۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک مختصر

مجموعہ کلام ہے جو صرف ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔(۷) ان کا دوسرا دیوان ''آیات وجدانی'' پہلی بار ۱۹۲۷ میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس کتاب کا جواب اسماعیل احمد مینائی نے اپنی کتاب ''دو میرزا'' میں دیا۔ جس میں ایک آیات وجدانی کا مصنف اور دوسرا اس کا مفسر موضوع بحث لائے گئے ہیں۔

یگانہ کے پہلے مجموعہ کلام ''نشتریاس'' کی اشاعت تک ان کی شخصیت متنازع نہیں تھی۔ وہ جب تک عظیم آباد میں رہے ایک غیر متنازعہ شاعر اور شخص کی طرح رہے۔ اصل تنازعہ اس وقت سامنے آیا جب ان کا دوسرا دیوان ''آیات وجدانی'' مع محاضرات مرزا مراد بیگ شیرازی چھپا۔ آیات وجدانی ۳۰۴ صفحات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ اس دیوان میں یگانہ اپنے ہم عصر شاعروں سے قطع نظر ایک مبصرِ زندگی کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ آیاتِ وجدانی کی شاعری، میں ان کی ہاں، زندگی کی جدلیت کا ادراک، تفکر اور حوصلہ مندی کا شعور نمایاں ہے۔ یگانہ کی غزلوں میں ان کے انفرادی اسلوب، فکر و تدبر، تغزل، زورِ بیان اور رجائیت کی جھلکیاں محسوس کی جاسکتی ہیں:

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ خدا بنا نہ گیا

بتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا
خدا کے گھر تو کوئی بندہ خدا نہ گیا

نگاہِ شوق سے کیا کیا گلوں کا دل دھڑکتا ہے
مبادا رنگ و بو اُڑ جائے پامالِ نظر ہو کر

پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے
اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا

کارگاہِ ہستی کی نیستی بھی ہستی ہے
اک طرف اُجڑتی ہے ایک سمت بستی ہے

تڑپ کے آبلہ پا اٹھ کھڑے ہوئے آخر
تلاشِ یار میں جب کوئی کارواں نہ ملا

سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا
شمع گل ہوگئی دل بجھ گیا پروانے کا

مزا گناہ کا جب تھا کہ با وضو کرتے
بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رُو کرتے

لپٹتی ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے
پلٹ کر یک سلامِ شوق کر لیتا ہوں منزل سے

افسردہ خاطروں کی خزاں کیا بہار کیا
کنجِ قفس میں مر رہے یا آشیانے میں

درج بالا اشعار سے یگانہ کی تخلیقی صلاحیتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ ان کے ہاں تخیل و احساس کی توانائی اور فکر و تدبر بلندی پر دکھائی دیتی ہے۔ البتہ ان کی غزلوں میں حسن و عشق کے مضامین اور وہ شگفتگی و رنگینی نہیں ہے جو حسرت موہانی کی غزلوں میں نظر آتی ہے۔ یگانہ تمام عمر زندگی اور اہلِ دنیا سے نبرد آزمار ہے۔ اسی لیے ان کی غزلوں میں روایتی غزل کے نقوش کہیں نہیں ملتے۔ ان کی غزل زندگی کے دکھ سکھ کا حسین امتزاج ہے۔ وہ زندگی کی کڑی دھوپ کے سفر کو تخلیقی رنگ میں ڈھالنے پر قادر دکھائی دیتے ہیں۔ یگانہ نے اگر کسی کلاسیکی شاعر

سے استفادہ کیا ہے تو وہ آتش لکھنوی ہیں۔ یگانہ، آتش کو پسند کرتے تھے۔ فنی رکھ رکھاؤ میں وہ آتش کو استاد کا درجہ دیتے ہیں اور وہ اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

اثر پیدا کیا چاہو سخن میں طرزِ دلکش سے
تو اندازِ بیاں سیکھو انیس و میر و آتش سے

یہی وجہ ہے کہ یگانہ کی غزلوں میں کہیں کہیں آتش کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ نشترِ یاس کی غزلوں سے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

اشکِ خوں سے زرد چہرے پر ہے اک طرفہ بہار
دیکھیے رنگِ جنوں کیسا مرے منہ پر کھلا

جھوم کر اٹھتے ہیں لیکن پھر سنبھل جاتے ہیں مست
سامنا ساقی کا ہے گستاخیاں کیوں کر کریں

سیرِ چمن سے دل نہ لگاؤ چلے چلو
فصلِ بہار پاؤں کی زنجیر ہو نہ جائے

یاس کی غزلوں میں آتش کے اثرات کی وجہ یہی ہے کہ وہ آتش کو اپنا روحانی استاد مانتے تھے۔ نشترِ یاس میں انھوں نے اپنی تصویر کے نیچے ''خاکپائے آتش'' لکھا ہے۔[۸] یگانہ نے آتش کی کئی زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی۔ یگانہ کو اہلِ لکھنؤ تسلیم نہیں کرتے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یگانہ بھی لکھنؤ کے شعرا صفی اور عزیز کی طرح ترنم سے کلام سناتے تھے اور ان کی آواز اتنی اچھی تھی کہ وہ مشاعرے پر چھا جاتے تھے جو صفی اور عزیز جیسے شعرا کو بہت کھلتا تھا۔ ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا تعلق عظیم آباد سے تھا مگر ان کی شادی لکھنؤ میں ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے آپ کو لکھنؤ کا داماد کہا کرتے تھے۔ لکھنؤ والے اپنی زبان دانی پر بھی بہت ناز کرتے تھے اور لکھنؤ سے باہر والوں کو مشکل سے ہی مانتے تھے۔ اہلِ لکھنؤ یگانہ کی مخالفت کرتے تھے جب کہ یگانہ لکھنؤ سے تعلق پر فخر کرتے تھے۔

آبروئے لکھنؤ خاکِ عظیم آباد ہوں

یگانہ لکھنؤ والوں کی ضد میں غالب دشمنی پر اترے اور غالب شکن رسالے کے ذریعے غالب پر تنقید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جس کا مقصد لکھنؤی شعرا صفی، عزیز، ثاقب کو تکلیف دینا تھا۔ لکھنؤی شعرا غالب کی پیروی کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ یگانہ نے غالب پر زبردست تنقید کی۔ اس طرح لکھنؤی شاعروں اور یگانہ کے درمیان محاذ آرائی عروج پر پہنچ گئی۔ مگر غور کیا جائے تو یگانہ دل سے غالب کی خلاف نہیں تھے۔ بعض اوقات وہ غالب کی شاعری کا اعتراف بھی کرتے نظر آتے ہیں:

صلح کر لو یگانہ غالب سے
وہ بھی استاد تم بھی اک استاد

دراصل یگانہ غالب شکنی کے باوجود غالب کے اثرات سے بچ نہ سکے۔ ان کی غزلوں پر جس شاعر کے گہرے اثرات محسوس ہوتے ہیں وہ غالب ہے۔[۹] خصوصاً 'نشترِ یاس' کی بیشتر غزلیں غالب کی زمینوں میں ملتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے پہلے دیوان کی اشاعت تک وہ غالب دوستی کا دم بھرتے تھے اور غالب کی پیروی کو برا نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے دوسرے دیوان 'آیاتِ وجدانی' میں غالب کے اثرات 'نشترِ یاس' سے زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔ آیاتِ وجدانی ان کے پہلے دیوان سے زیادہ مقبول ہوا۔ اس دیوان میں غالب کے اثرات ملاحظہ کیجیے:

دیدہ و دل سے دیکھ اپنی طرف
چشمِ حیراں تجھے ہوا کیا ہے؟

ہوا کی دوش پہ جاتا ہے کاروانِ نفس
عدم کی راہ میں کوئی پیادہ پا نہ ملا

اک معنی بے لفظ ہے اندیشہ فروا
جیسے خطِ قسمت کہ پڑھا بھی نہیں جاتا

خدا معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا
چھڑا ہے ساز ہستی مبتدائے باخبر ہو کر

امید و بیم نے مارا مجھے دو راہے پر
کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

جذبہ شوق نے جب عشق کی صورت بدلی
پھر مٹائے نہ مٹا لاکھ مٹانا چاہا

خود پرستی کیجیے یا حق پرستی کیجیے
آہ کس دن کے لیے ناحق پرستی کیجیے

یگانہ کے ہاں فارسی تراکیب بھی غالب کے تتبع کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کے باوجود کہ انھوں نے اہلِ لکھنؤ کے خلاف سخت زبان استعمال کی۔ اقبال اور عزیز لکھنوی کے خلاف بھی لکھا۔ لکھنؤ کے تمام شعرا کے بارے میں توہین آمیز مضامین لکھے اور وہ ادبی طور پر بالکل تنہا رہ گئے مگر اس کے باوجود یگانہ کی غزل توانا تھی اپنی شعری صلاحیتوں کے بل بوتے پر وہ اردو غزل میں اپنا منفرد لب ولہجہ اور پہچان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

یگانہ کی غزل میں زندگی کی رنگارنگی، جوش، ولولہ اور جدوجہد نمایاں ہے۔ وہ آرزوؤں کا ماتم کرتے نظر نہیں آتے بلکہ وہ زندگی زندہ دلی سے گزارنے کے فلسفے پر یقین رکھنے والے شاعر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں زبان و بیان کی پختگی اور فکری گہرائی انھیں اپنے ہم عصر شعرا سے ممتاز اور نمایاں کرتی ہے۔ ان کی غزل سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے حسن وعشق کی رنگینی اور زلف ور خسار کی چاشنی کے تذکرے کے بغیر بھی اعلیٰ غزل تخلیق کی جاسکتی ہے۔ ان کے موضوعات میں انسان، کائنات اور زندگی کی مثلث نمایاں ہے۔ وہ غور و فکر اور تدبر سے انسان کی اصل تک رسائی کا درس دیتے ہیں۔ گویا یگانہ فلسفہ و فکر کی گتھیاں سلجھانے والے شائستہ

لہجے کے شاعر ہیں۔ان کی غزلوں کے اشعار انسان کو دعوتِ فکر پر مائل کرتے ہیں۔ان کے ہاں زندگی کی رمق بھی ہے اور فکری گیرائی بھی۔چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جا رہے ہیں:

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی

کروں تو کس سے کروں درد نارسا کا گلہ
کہ مجھ کو لے کے دل دوست میں سما نہ گیا

آپ اب شمع سحر بڑھ کے گلے ملتی ہے
بخت جاگا ہے بڑی دیر میں پروانے کا

باز آ، ساحل پہ غوطہ کھانے والے باز آ
ڈوب مرنے کا مزہ دریائے بے ساحل میں ہے

دل آگاہ نے جب راہ پہ لانا چاہا
عقل گمراہ نے دیوانہ بنانا چاہا

آبلہ پا نکل گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوجھا پھر آنکھ سے نہ کچھ منزل یار دیکھ کر

درج بالا اشعار سے یگانہ چنگیزی کے فلسفہ حیات اور نظریات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی سے ہار ماننے والے نہیں تھے بلکہ مصائب، دکھ درد کے خلاف ڈٹ جانے کو ترجیح دیتے تھے اور غزل میں ایسی توانائی، ہمت، حوصلہ اور مردانگی اردو شاعری میں یگانہ کے علاوہ کہیں کم ہی ملتی ہے۔

سلیم احمد نے فنون کے غزل نمبر میں یگانہ کی شاعری کے بارے میں لکھا:''یگانہ کی غزل کا مرد بیسویں صدی کی اتنی سچی نفسیات رکھتا ہے کہ ہم سب کے وجود کی تاریک تہوں میں اس کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔''(۱۰) یگانہ ان شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جن کا لہجہ زندگی کی کھردری حقیقتوں کو نمایاں کرتا ہے:

ہنسی میں وعدہ فردا کو ٹالنے والو
لو دیکھ لو، وہی کل، آج بن کے آ نہ گیا

گناہ زندہ دلی کہیے یا دل آزاری
کسی پہ ہنس لیے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا

پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا
خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا

یگانہ کو بھی غالب کی طرح اپنے زمانے سے گلہ تھا۔ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو تسلیم نہ کیا گیااور وہ جھنجھلا اٹھے،انھیں ان کے عصر نے قبول کرنے سے انکار کیا تو وہ اسے اپنی شکست سمجھ کر تڑپ اٹھے اور پھر وہ اپنی ہی انفرادیت کی طاقت لیے شدت سے آگے بڑھے تو ان کا مٹی ہوئی تہذیبی اقدار کے زمانے سے زبردست تصادم ہو گیا۔ مجنوں گورکھپوری کے بقول''وہ پہلے شاعر ہیں جو ہم کو زندگی کا جبر دکھاتے ہیں اور ہمارے اندر سعی و پیکار کا ولولہ پیدا کرتے ہیں۔''

عجب کیا ہے ہم ایسے گرم رفتاروں کی ٹھوکر سے
زمانے کے بلند و پست کا ہموار ہو جانا

نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر، اسے عیب جانیے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر جو نظر پہ چڑھ کے کھڑی رہی

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائے گا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا

یگانہ کی غزلوں کے گہرے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری غالب کے بعد بھرپور توانائی اور قوت کے ساتھ ابھری اور انسانی زندگی کے پیکر میں ڈھل گئی۔ان کے ہاں نئے اور تازہ خیالات کی خوشبو اور توانا لہجے کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔یگانہ نے اگرچہ غالب سے آنکھیں چرائیں اور غالب شکن ہونے کا دعویٰ کیا مگر وہ غالب کی عظمت اور بڑائی کے دل سے معترف تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر بھی غالب کے رنگ و اثر سے اپنا دامن نہ بچا سکے:

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چلے اب ترک دعا کرتے ہیں

آ رہی ہے یہ صدا کان میں ویرانوں سے
کل کی ہے بات کہ آباد تھے دیوانوں سے

میں پیمبر نہیں یگانہ سہی
اس سے کیا کسر شان میں آئی

دراصل یگانہ زندگی کو مضبوط دیکھنے کے تمنائی تھے۔ان کے نزدیک انسانیت خودداری کا نام ہے لیکن بقول ڈاکٹر عبارت بریلوی ''یہ خودداری کہیں کہیں خودپرستی کی حدوں سے جا ملتی ہے۔''[۱۱] یگانہ نے خودپرستی کے ساتھ ساتھ حیات و کائنات کے دوسرے مسائل کو غزلوں کا حصہ بنایا۔کچھ مزید اشعار دیکھیے جو ان کے فلسفہ حیات کی ترجمانی کرتے ہیں:

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

کیا بتاؤں کیا ہوں میں قدرتِ خدا ہوں میں
میری خود پرستی بھی عین حق پرستی ہے

شانہ ہلا کے موت نے چونکا دیا مجھے
محوِ طلسم بندیِ اسرار دیکھ کر

ماتم سرائے دہر میں کس کس کو رویئے
اے وائے درد، دل نہ ہوا دردِ سر ہوا

عجب کیا بھول جائے طائرِ خواب آشیاں اپنا
شبِ غم دور کیا ہے راہ کا دشوار ہو جانا

لہو کا گھونٹ بھی فصلِ خزاں میں مل نہیں سکتا
قیامت ہے گلوں کا ہم زبانِ خار ہو جانا

نہ سنا ہو گا راگ فطرت کا
جانتے ہو مری صدا کیا ہے

وہی نیرنگی طلسم ہوا
موج کیا اور بلبلہ کیا ہے

بلند ہو کہ کھلے تجھ پہ فیض پستی کا
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا

خوشی میں اپنے قدم چوم لوں تو زیبا ہے
وہ لغزشوں پہ مری مسکرائے ہیں کیا کیا

درج بالا اشعار میں یگانہ کی ذہنی اپج اور فکری سطح کا اندازہ ہوتا ہے۔ان کے مفکرانہ مزاج نے ان کی غزل کو معاصر غزل سے بالکل الگ بنا دیا ہے اور اس طرح کی غزل میں خاص اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ یاس یگانہ چنگیزی، آیات وجدانی،(لاہور:م۔ن،۱۹۲۷ء)،ص۶۔

۲۔ تنہا، محمد یحییٰ،مراۃ الشعرا ، جلد دوم،(لاہور:م۔ن،۱۹۵۱ء)،ص۳۷۲۔

۳۔ نقوش(آپ بیتی نمبر)،لاہور، حصہ اول و دوم،جون ۱۹۶۴ء،ص۱۴۳۸۔

۴۔ وقار احمد رضوی،ڈاکٹر،تاریخ جدید اردو غزل،(اسلام آباد:نیشنل بک فاونڈیشن،۱۹۸۸ء)،ص۳۱۴۔

۵۔ ایضاً

۶۔ نجیب جمال،ڈاکٹر،یگانہ (منتخب کلام)،(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤندیشن،۲۰۱۷ء)،ص۲۳:۲۴۔

۷۔ نشتر یاس،(دیباچہ)،(لکھنؤ:م۔ن،اپریل ۱۹۱۴ء)،ص:ج۔

۸۔ ایضاً،ص۲۷۔

۹۔ وقار احمد رضوی ڈاکٹر، تاریخ جدید اردو غزل،ص۳۲۰۔

۱۰۔ سلیم احمد،فنون جدید،(اردو غزل نمبر)۔

۱۱۔ عبادت بریلوی،غزل اور مطالعہ غزل،(لاہور:انجمن ترقی اردو،۱۹۵۶ء)،ص۱۱۰۔